© rasailojaraid.com

توضیحات

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

کسی کتاب پر تبصرہ اگر تنقیدی نوعیت کا ہو اور اس میں کتاب کے بعض کم زور پہلوؤں کی نشان دہی کی گئی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ مصنف کو پسند نہیں آئے گا۔ لیکن ناپسندیدگی کے اظہار میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ دانش ور سے جس متانت، سنجیدگی اور شائستگی کی توقع کی جاتی ہے، افسوس ہے کہ موصوف کی اس تحریر میں اس کا فقدان ہے۔ فاضل مصنف نے یہ بات بار بار دہرائی ہے کہ تبصرہ نگار نے 'بند ذہن' سے تبصرہ کیا ہے، طنزیہ عبارت لکھی ہے، مصنف کو مطعون کیا ہے، اس پر مغرب پرستی کا لیبل چسپاں کر دیا ہے، مغرب پرستوں کے افکار پر ایک پیرا داغ کر مصنف پر بھی وہی ٹھپّہ لگا دیا ہے وغیرہ۔ کسی بھی تحریر میں مضامین کی تکرار کو عیب سمجھا جاتا ہے۔ تبصرہ نگار نے اس کی طرف توجہ دلائی تو وہ برا مان گئے۔ اسی طرح راقم سطور نے اپنے تبصرہ میں توضیح مدعا کے لیے انگریزی کے دو الفاظ استعمال کر لیے تھے۔ اس پر موصوف کا کہنا ہے کہ ان کا استعمال محض رعب ڈالنے کے لیے کیا گیا ہے، حالاں کہ خود ان کی اس تحریر میں انگریزی کے تین الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اس پر بھی انھیں تسلّی نہیں ہوئی تو انھوں نے تبصرہ نگار کو مسلمانوں کی صف سے ہی خارج کر دیا اور لکھ بیٹھے کہ ''آدم وحوا کے مشرک ہونے کا تصور شاید تبصرہ نگار تو کر سکتا ہے، کوئی مسلمان نہیں کر سکتا''۔ ان کے استدراک میں مذکور تمام باتوں پر بحث طوالت کا باعث ہوگی، اس لیے ان میں سے صرف چند کی طرف اشارہ کر کے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

فاضل مصنف مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے مدعی ہیں۔ مساوات کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ دونوں ہر طرح کی یکساں صلاحیتیں رکھتے ہیں اور ہر کام جو مرد کر سکتا ہے اسے عورت بھی انجام دے سکتی ہے۔ تبصرہ نگار کے نزدیک اسلام میں مرد و زن کے درمیان مساوات کا مطلب مرتبہ وحیثیت، حقوق اور اجر میں مساوات ہے، نہ کہ صلاحیتوں اور دائرہ کار کی یکسانیت۔ مصنف نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں عورت سے متعلق الفاظ کی لغوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشریحات کے پردے میں جو طویل بحثیں کی ہیں، مختصر تبصرے میں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا تھا، صرف چند مثالیں پیش کی گئی تھیں۔

مساواتِ مرد و زن کی دلیل کے طور پر فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ ''ہر صنف کے وجود میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں، اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ سرجری سے جنس تبدیل ہو جاتی ہے''۔ تبصرہ نگار نے اسے نامعقول بات قرار دیا تھا، جس پر مصنف نے اسے ناسمجھی اور بے خبری کا طعنہ دیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ کسی بے خبر شخص کی رائے نہیں ہے۔ راقم سطور طب کا طالب علم ہے، اس نے اس فن کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ اس بنا پر وہ جانتا ہے کہ اس دلیل میں کوئی جان نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو زیر تذکرہ موضوع پر میڈیکل سائنس کی موٹی موٹی باتوں کا بھی علم نہیں ہے۔ تبدیلیٔ جنس (Transsexualism) ایک پیچیدہ عمل ہے جو مخصوص صورتوں میں مخصوص افراد پر انجام دیا جاتا ہے۔ سرجری کے ذریعے نہ ہر مرد کو عورت بنایا جا سکتا ہے نہ ہر عورت کو مرد۔ پھر اگر بالفرض مصنف کی اس بات کو درست مان لیا جائے تو ان کی دوسری بات غلط قرار پاتی ہے کہ ''اگر دنیا میں سارے مرد ختم ہو جائیں تو دنیا ختم نہیں ہوگی، لیکن اگر سب عورتیں ختم ہو جائیں تو بقائے نوع کا سلسلہ رک جائے گا اور دنیا ختم ہو جائے گی''۔ اس لیے کہ اس وقت مردوں کی نصف تعداد کی سرجری کر کے انھیں عورت بنا دیا جائے گا، اس طرح بقائے نوع کا سلسلہ چلتا رہے گا۔

مصنف موصوف نے لفظ 'بشر' کی تشریح کرتے ہوئے عورت کی نبوت اور رسالت کی بحث چھیڑی ہے۔ اس ضمن میں لفظ رجل/ رجال کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے قرآنی استعمالات میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں۔ انھوں نے خواتین کی نبوت کا اثبات کیا ہے اور تائید میں متعدد علماء کے حوالے دیے ہیں۔ راقم نے اپنے تبصرے میں صرف ان کا نقطۂ نظر بیان کیا تھا، اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا تھا کہ قرآن کی تصریح کے مطابق صرف مردوں کو رسول بنایا گیا ہے، عورتوں کو نہیں: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ (الانبیاء:۷)۔ فاضل مصنف اس بات کے قائل ہیں کہ عورتوں کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، البتہ نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس فرق کی دلیل کیا ہے؟ اگر 'رجالاً' میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں تو انھوں نے رسالت کے شرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے عورتوں کو کیوں محروم کردیا ہے؟!

مصنف نے 'نفس واحدۃ' پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جمہور مفسرین کے برخلاف ان کے نزدیک اس کے تمام استعمالات میں کہیں بھی اس سے مراد آدم نہیں ہیں۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت آدم ابوالبشر نہیں ہیں۔ قرآن کریم میں لوگوں کو 'یا بنی آدم' (الاعراف: ۲۶-۲۷ وغیرہ) کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ بھی ان کے نزدیک اس بات کی نصِ قطعی نہیں کہ نوعِ بشر آدم کی اولاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کوئی اصولی اور قطعی نص اس بارے میں موجود نہیں کہ آدم ہی انسانِ اول ہیں۔ انھوں نے اپنے مؤیدین میں شیخ محمد عبدہٗ، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا امین احسن اصلاحی کے نام ذکر کیے ہیں، حالاں کہ ان میں سے کوئی بھی آدم کے ابوالبشر ہونے کا انکار نہیں کرتا۔ شیخ محمد عبدہ سورہ نساء کی پہلی آیت کی تفسیر میں جہاں یہ کہتے ہیں کہ 'نفس واحدۃ' سے مراد آدم نہیں ہیں، وہیں شیخ رشید رضا صریح الفاظ میں یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اس سے استاذ امام کی مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن آدم کے ابوالبشر ہونے کی نفی کرتا ہے، بلکہ ان کا کہنا بس یہ ہے کہ یہ آیت یہ ثابت کرنے میں قطعی نہیں ہے کہ آدم ہی ابوالبشر ہیں (تفسیر المنار، ۴/ ۳۲۶)۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے النساء: ا کی تفسیر میں 'نفس واحدۃ' سے آدم مراد ہونے کے قول کو نقل کرتے ہوئے ترجیح اس قول کو دی ہے کہ اس سے مراد باپ یا خاندان کا مورثِ اعلیٰ ہے، لیکن الاعراف: ۱۱-۲۵ میں مذکور حضرت آدمؑ کے واقعہ کو 'نسل انسانی کی ابتدائی سرگزشت'' قرار دیا ہے (ترجمان القرآن، ۳/ ۱۱)۔ مولانا امین احسن اصلاحی بھی آدم کے ابوالبشر ہونے کا انکار نہیں کرتے۔ انھوں نے لکھا ہے: ''تمام نسل انسانی ایک ہی آدم کا گھرانہ ہے ... جس طرح آدم تمام نسل انسانی کے باپ ہیں اسی طرح حوا تمام نسل انسانی کی ماں ہیں'' (تدبر قرآن: ۲/ ۲۴۶-۲۴۷) ''تمام انسان ایک ہی آدم کی نسل سے ہیں اور سب کا خالق خدا ہی ہے'' (تدبر قرآن: ۶/ ۵۶۴، تفسیر سورہ الزمر، آیت: ۶)

پھر فاضل مصنف آگے بڑھ کر قرآن سے دو حوالے (البقرۃ: ۳۰، الاعراف: ۱۸۹) اس بات کے دیتے ہیں کہ آدم ابوالبشر نہیں تھے، بلکہ ان سے پہلے بھی انسان موجود تھے۔ راقم نے اپنے تبصرے میں 'نفس واحدۃ' کے بارے میں مصنف کی تحقیق سے عدمِ اتفاق کے باوجود اس پر کوئی بحث نہیں کی تھی۔ اس کا کہنا بس یہ تھا کہ مصنف نے البقرۃ اور الاعراف کی آیتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے جو کچھ ثابت کرنا چاہا ہے وہ ان سے ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ ان آیتوں میں اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت یہ ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَآئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا آ
أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۔ (۳۰)

فرشتوں کا یہ اشکال کہ آدم اور اولاد آدم زمین میں فساد پھیلائیں گے اور خون بہائیں گے، کس بنا پر تھا؟ آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ مصنف کا استنباط یہ ہے کہ آدم سے پہلے زمین میں انسان موجود تھے، انھیں دیکھ کر فرشتوں کی یہ رائے بنی تھی۔ ظاہر ہے، یہ استنباط نص قطعی نہیں ہے۔ مفسرین نے اس کی دوسری توجیہات کی ہیں۔ آدم سے پہلے انسان موجود ہونے کے قائل چاہے فاضل مصنف ہوں یا امام باقر یا شیخ اکبر یا دوسرے حضرات، بہ ہر حال یہ آیت ان کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۸۹ میں 'نفس واحدۃ' سے مراد بعض مفسرین نے آدم مراد لیا ہے اور بعض نے عام میاں بیوی۔ اگر مصنف کی رائے مان لی جائے کہ اس میں نفس واحدۃ سے مراد آدم نہیں ہیں، تو بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آدم ابوالبشر نہیں ہیں۔ اپنے اس دعویٰ کی ایک دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اگر نفس واحدۃ سے آدم اور اس کے زوج سے حوا کو مراد لیا جائے تو اس سے ان کی طرف شرک کی نسبت ہو جائے گی، جس کا تذکرہ آیت کے اگلے ٹکڑے میں آیا ہے۔ حالاں کہ یہ بات تو اس صورت میں بھی ہوگی جب نفس واحدۃ اور اس کے زوج سے عام میاں بیوی کو مراد لیا جائے۔ پھر کیا ان کے نزدیک تمام انسان شرک میں مبتلا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس واحدۃ اور اس کے زوج سے مراد چاہے آدم و حوا کو لیا جائے یا عام میاں بیوی کو، آیت کا اگلا ٹکڑا ان سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اس کا اشارہ صرف ان لوگوں کی طرف ہے جو اولاد پا کر شرک کرنے لگتے ہیں۔

زبان دانی کا زعم انسان سے کیسی کیسی غلط باتیں کہلوا دیتا ہے، اس کی متعدد مثالیں کتاب میں موجود ہیں۔ میں نے اپنے تبصرہ میں صرف دو مثالیں پیش کی تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن نے غلام اور لونڈی کے لیے عبد/ عباد، امۃ/ اماء کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور فتی/ فتیان، فتیات کے الفاظ بھی۔ اس سلسلے میں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت تھی کہ قرآن نے کس جگہ کون سا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کی کیا حکمت ہے؟ اس کے بجائے مصنف نے کتاب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی الاطلاق یہ فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ ''عبد اور امۃ توہین آمیز الفاظ ہیں اور فتیٰ اور فتاۃ باعزت الفاظ''۔ اب اپنے استدراک میں وہ یوں بات بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ عبد اور امۃ کا لفظ اگر خالق کائنات استعمال کرے تو بالکل درست ہے، لیکن اگر اسے انسان استعمال کرے تو وہ توہین آمیز ہے''۔ دوسری مثال لفظ 'رفث' کی ہے۔ اس کو فاضل مصنف نے کتاب میں علی الاطلاق 'غیر شائستہ لفظ' لکھا تھا۔ اب قرآن میں اس کے استعمال کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ''رمضان کے دوران اس فعل کی قباحت بیان کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے''۔ سورۃ البقرۃ میں ہے: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ (آیت نمبر ۱۸۷)۔ قرآن تو رمضان کی راتوں میں اس فعل کی عدمِ قباحت اور حلّت بیان کر رہا ہے، لیکن موصوف فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال فعل کی قباحت بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ جنسی تعلق کے لیے قرآن نے دیگر مقامات پر جو اشارے کنایے استعمال کیے ہیں ان کے بجائے اس آیت میں اس عمل پر دلالت کرنے والے صریح لفظ کے استعمال کی حکمت یہ ہے کہ قرآن یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ رمضان کی راتوں میں زوجین کے درمیان جنسی تعلق تقویٰ و پرہیزگاری کے منافی نہیں ہے۔ یہاں اشارہ کنایہ کے بجائے صراحت کی ضرورت تھی، اسی لیے قرآن نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

مصنف موصوف نے ایک دل چسپ بات یہ کہی ہے کہ ''لغت کی روشنی میں جو رائے قائم کی جاتی ہے اس میں کھینچ تان کرنے کی قطعی گنجائش نہیں ہوتی اور پھر لغت بھی قرآن کی''۔ حالاں کہ تاریخِ تفسیر سے ادنیٰ سی بھی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ معتزلہ، خوارج، اسماعیلیہ، فلاسفہ، گم راہ صوفیہ اور دیگر فرق ضالہ نے اپنے نظریات و افکار کی تائید قرآن سے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر آیاتِ قرآنی کی غلط اور بے جا تاویلیں کی ہیں۔ اور اہلِ قرآن کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے، جنھوں نے لغت کی بنیاد پر آیاتِ قرآنی کی دور دراز تاویلیں کر کے دینِ اسلام ہی کو مسخ کر دیا ہے۔

بہرحال فاضل مصنف کے استدراک اور راقم سطور کے تبصرہ اور توضیحات سے دونوں کے نقطہ ہائے نظر کا فرق، امید ہے، تحقیقات اسلامی کے باشعور قارئین پر واضح ہو گیا ہوگا۔ جو لوگ مصنف کے نقطۂ نظر کو تفصیل سے سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لیے ان کی ضخیم کتاب (۵۶۰ صفحات) کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ☆☆☆

© rasailojaraid.com